Volume 03, Issue 02,
April-June 2025
PP: 111-122
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ کی علمِ کلام میں فکری ہم آہنگی اور امتیازات

Intellectual Harmony and Theological Distinctions in Kalām between Shāh Walī Allāh Dihlawī and ʿAllāmah Kāẓimī

Dr. Muhammad Asim ul Hassan[1]*, Hafiz Aman Ullah[2]

Article History

Received
21-05-2025

Accepted
20-06-2025

Published
22-06-2025

Indexing

Abstract

ʿIlm al-Kalām (Islamic theology) is a discipline that articulates Islamic beliefs through rational and textual evidence, aiming to defend the faith against false ideologies using scholarly reasoning. In the intellectual tradition of the Indian subcontinent, two towering figures—Shāh Walī Allāh Dihlawī (d. 1762) and ʿAllāmah Sayyid Aḥmad Saʿīd Kāẓimī (d. 1986)—made significant contributions to the development and preservation of Kalām. Though separated by centuries and shaped by distinct historical contexts, both scholars reflect a profound continuity and harmony in their theological approaches, firmly rooted in the Ahl al-Sunnah tradition. Shāh Walī Allāh Dihlawī, an 18th-century reformer, sought to revive Islamic sciences by integrating ḥadīth, reason, and ijtihād. He responded to the intellectual threats of his era, including Bāṭinī doctrines, Rāfiḍī thought, and atheism, through a balanced synthesis of rational inquiry and scriptural fidelity. In the 20th century, ʿAllāmah Kāẓimī—an eminent scholar of ḥadīth and theology—addressed challenges posed by modernist trends, hadith rejection, and the resurgence of neo-Muʿtazilite thinking, all while defending traditional orthodoxy with academic rigor.

Despite the differences in time and context, both scholars emphasized the centrality of the Qurʾān and Sunnah, upheld rational engagement within the bounds of revelation, and presented theology in accessible terms. This study critically examines their contributions to reveal the theological evolution, diversity, and resilience of Ahl al-Sunnah in South Asia. Their works continue to offer valuable insights for addressing contemporary theological dilemmas with intellectual depth and spiritual clarity.

Keywords:

ʿIlm al-Kalām, Shāh Walī Allāh Dihlawī, ʿAllāmah Kāẓimī, Ahl al-Sunnah, Islamic Theology, Rational Argumentation, Qurʾān and Sunnah, South Asian Islam, Theological Reform, Modern Muʿtazilah, Hadith Rejection, Intellectual Continuity.

[1] *Lecturer Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, Punjab, Pakistan.* asim@iub.edu.pk.* ***Corresponding Author***
[2] *Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, The Islamia University Of Bahawalpur, Punjab, Pakistan.* hafiz7224169@gmail.com

All Rights Reserved © 2025 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development

علمِ کلام اسلامی علوم کا وہ شعبہ ہے جس میں عقائدِ اسلامیہ کو عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں مدلل انداز میں واضح کیا جاتا ہے اور باطل نظریات کا علمی و منطقی رد پیش کیا جاتا ہے۔ برصغیر میں جن جلیل القدر ہستیوں نے اس میدان میں نمایاں کردار ادا کیا، ان میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ کے اسماء مبارک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان دونوں بزرگوں کا زمانہ، حالات اور اسلوبِ کار مختلف ہے، لیکن ان کے افکار میں ایک فکری تسلسل اور ہم آہنگی نظر آتی ہے جو اہل سنت کی علمی روایت کا مظہر ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ اٹھارہویں صدی کے وہ مجدد ہیں جنہوں نے اسلامی علوم میں اصولی تجدید کی بنیاد رکھی، خاص طور پر علمِ کلام کو حکمت، عقل، حدیث اور اجتہاد کے امتزاج سے نئی جہت عطاء کی۔ انہوں نے دین کی اساسیات کو اس دور کے فکری چیلنجز جیسے باطنی افکار، رافضیت اور الحاد کے مقابل پیش کیا۔ دوسری جانب بیسویں صدی میں علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ ایک بلند پایہ محدث، متکلم اور روحانی رہنما کی حیثیت سے سامنے آئے جنہوں نے منکرینِ حدیث، جدید معتزلہ اور غیر مقلدین جیسے فتنوں کا بھرپور علمی و تحقیقی انداز میں رد فرمایا۔ ان کی تقریریں، دروس اور ملفوظات آج بھی اہل سنت کے عقائد کی مضبوط علمی بنیاد سمجھی جاتی ہیں۔

یہ دونوں شخصیات اگرچہ زمانی اعتبار سے دو مختلف ادوار سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن ان کے افکار و نظریات میں جو ہم آہنگی پائی جاتی ہے، وہ اسلامی کلامی روایت کی وسعت، جامعیت اور استمراری قوت کی شاہد ہے۔ قرآن و سنت کو مرجع قرار دینا، عقل و نقل کے درمیان توازن برقرار رکھنا اور باطل نظریات کا علمی رد کرنا—یہ وہ مشترک اصول ہیں جن پر ان دونوں کی علمی کاوشیں استوار ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے اسالیب، ترجیحات اور علمی منہج میں بعض امتیازات بھی پائے جاتے ہیں، جو ان کے اپنے اپنے دور کے تقاضوں اور فکری چیلنجز سے ہم آہنگ تھے۔ زیرِ نظر مطالعے کا مقصد یہی ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ کی کلامی فکر کا جائزہ لیا جائے، تاکہ برصغیر میں اہل سنت کی فکری روایت کے تسلسل، ارتقاء اور علمی تنوع کو سمجھا جا سکے۔ یہ جائزہ اس لیے بھی اہم ہے کہ معاصر دور میں علمِ کلام کو درپیش سوالات کے جوابات تلاش کرتے ہوئے ہم ان اکابر کی روشنی سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ نے علمِ کلام کو قرآن و سنت کی بنیاد پر استوار کرنے کی کوشش کی، تاکہ اسلامی عقائد کو فلسفیانہ اور منطقی پیچیدگیوں سے پاک کر کے عام فہم انداز میں پیش کیا جا سکے۔ دونوں مفکرین نے اپنے اپنے دور میں اس حوالے سے نمایاں خدمات انجام دیں، جن کا تفصیلی جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ

شاہ ولی اللہ دہلوی (1703ء–1762ء) برصغیر کے ایک جلیل القدر مصلح، محدث، مفسر اور مفکر تھے جنہوں نے اسلامی معاشرت، سیاست اور دینی تعلیمات کی تجدید میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ نے اسلامی تعلیمات کو عام فہم بنانے کے لیے قرآنِ مجید کا فارسی ترجمہ کیا اور فکری و فقہی اختلافات کو کم کرنے کی کوشش کی۔ ان کی تصانیف جیسے حجۃ اللہ البالغہ اور الفوز الکبیر نے برصغیر میں اسلامی فکر کو گہرائی اور وسعت دی۔[1] شاہ ولی اللہ نے امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کی وجوہات کا تجزیہ کرتے ہوئے اصلاحِ امت کا لائحہ عمل پیش کیا اور اس کے لیے علم و عمل کی بنیاد پر اجتہاد، اتحاد اور عدل کی وکالت کی۔ ان کا اثر بعد کے کئی دینی و سیاسی تحریکات پر واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ

علامہ احمد سعید کاظمیؒ برصغیر پاک و ہند کے جید عالمِ دین، مفسرِ قرآن اور ممتاز صوفی بزرگ تھے۔ آپ 1913ء میں امروہہ (بھارت) میں پیدا ہوئے اور بعد ازاں پاکستان کے شہر ملتان میں سکونت اختیار کی، جہاں آپ کی علمی و روحانی خدمات کا دائرہ وسیع ہوا۔ آپ نے قرآن و حدیث، فقہ اور تصوف میں

کے ذریعے لاکھوں مسلمانوں کے دلوں کو علم و عرفان سے منور کیا۔ آپ ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے اور آپ کی مجالس علم، عشقِ مصطفیٰ ﷺ اور روحانیت سے لبریز ہوتی تھیں۔ 1986ء میں آپ کا وصال ہوا[2] مگر آپ کی علمی و دینی خدمات آج بھی زندہ و جاوید ہیں۔

علمِ کلام کی قرآنی تعبیر

شاہ ولی اللہ دہلویؒ برصغیر کے ممتاز مصلح، محدث اور مفکر تھے۔ انہوں نے علمِ کلام کو محض فلسفیانہ مباحث سے نکال کر قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ ان کے نزدیک عقائد کی تفہیم کے لیے وحیِ الٰہی کو بنیاد بنانا ضروری ہے، تاکہ عام مسلمان بھی دین کی بنیادی تعلیمات کو سمجھ سکیں۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنی معروف تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

وإنما الواجب أن يُعبّر عن العقائد الدينية بالألفاظ الشرعية، ويُترک ما أحدثه المتكلمون من الألفاظ الفلسفية فإن فيها من التكلف والتعقيد ما يُبعد عن الفهم.[3]

واجب یہ ہے کہ دینی عقائد کو شرعی الفاظ میں بیان کیا جائے اور متکلمین کی پیدا کردہ فلسفیانہ اصطلاحات کو ترک کیا جائے، کیونکہ ان میں تکلف اور پیچیدگی ہے جو فہم سے دور کرتی ہے۔

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ علمِ کلام کو عام فہم بنانے کے لیے قرآنی اور شرعی اصطلاحات کے استعمال پر زور دیتے ہیں، تاکہ دین کی تعلیمات ہر فرد تک آسانی سے پہنچ سکیں۔

علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ برصغیر کے جید عالمِ دین، مفسر اور متکلم تھے۔ انہوں نے علمِ کلام کو سنتِ نبوی کی روشنی میں بیان کیا اور فلسفیانہ پیچیدگیوں سے اجتناب کرتے ہوئے عقائد کو عام فہم انداز میں پیش کیا۔ ان کی تحریریں اور خطابات اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ عقائد کی تفہیم میں قرآن و سنت کو بنیادی حیثیت دیتے تھے۔

علامہ کاظمیؒ اپنی کتاب مقالات کاظمی میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی صفات کو نہ جہمیہ کی طرح معطل کیا جا سکتا ہے، نہ مشبّہہ کی طرح مجسّم، بلکہ قرآن کی ہدایت کے مطابق لیس کمثلہ شیء کے ساتھ ھو السمیع البصیر پر ایمان لانا ہی درست تعبیر ہے۔[4]

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کاظمیؒ صفاتِ باری تعالیٰ کے بیان میں قرآن کی نصوص کو بنیاد بناتے ہیں اور افراط و تفریط سے بچتے ہوئے معتدل مؤقف اختیار کرتے ہیں۔

فکری ہم آہنگی اور امتیازات

دونوں مفکرین نے علمِ کلام کو قرآن و سنت کی بنیاد پر استوار کرنے کی کوشش کی، تاکہ عقائد کی تفہیم میں اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ کاظمیؒ دونوں نے فلسفیانہ اور منطقی اصطلاحات کے استعمال سے گریز کیا، تاکہ عام مسلمانوں کے لیے دین کی تعلیمات قابلِ فہم رہیں۔ انہوں نے علمِ کلام کو قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ عقلِ سلیم کی روشنی میں بھی پیش کیا اور بعض اوقات فلسفیانہ مباحث کو بھی شامل کیا، بشرطیکہ وہ وحی کے مخالف نہ ہوں۔ انہوں نے مکمل طور پر قرآن و سنت پر انحصار کیا اور فلسفیانہ مباحث سے اجتناب کرتے ہوئے عقائد کو صوفیانہ اور روحانی انداز میں بیان کیا۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ دونوں نے علمِ کلام کو قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی، تاکہ اسلامی عقائد کو عام فہم اور قابلِ عمل بنایا جاسکے۔ دونوں مفکرین کی کاوشیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ دین کی تعلیمات کو اصل ماخذ سے اخذ کر کے پیش کرنا ہی صحیح منہج ہے اور فلسفیانہ پیچیدگیوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔

شریعت وطریقت کا امتزاج

اسلام میں ظاہری احکام (شریعت) اور باطنی تربیت (طریقت) دو ایسے پہلو ہیں جو مل کر دینِ کامل کی تشکیل کرتے ہیں۔ تاریخِ اسلام کے مختلف ادوار میں بعض اوقات یہ دونوں میدان ایک دوسرے سے الگ سمجھے گئے، لیکن چند عظیم مفکرین نے ان دونوں کو ایک دوسرے کا تکملہ قرار دے کر ان کے امتزاج پر زور دیا۔ ان میں برصغیر کے دو نامور اور جید علماء شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ نمایاں ہیں۔

یہ دونوں بزرگ دینِ اسلام کے ایسے نمائندہ مفکر تھے جنہوں نے شریعت اور طریقت کے امتزاج کو نہ صرف عقلی بنیاد پر واضح کیا، بلکہ اس کی روحانی افادیت اور دینی ضرورت کو بھی واشگاف کیا۔ ان کے افکار کا مطالعہ ہمیں یہ باور کراتا ہے کہ شریعت اور طریقت جداگانہ نظام نہیں، بلکہ ایک ہی دریا کی دو لہریں ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی مایہ ناز تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں دین کے مختلف پہلوؤں پر مفصل بحث کی ہے۔ انہوں نے شریعت وطریقت کو دو علیحدہ دائرے نہیں بلکہ ایک مکمل نظامِ دین کے دو پہلو قرار دیا۔ ان کے نزدیک شریعت وہ ظاہری دستور ہے جو انسان کے ظاہر کی تربیت کرتا ہے، جبکہ طریقت انسان کے باطن کو سنوارتا ہے۔

فإن الشريعة والطريقة متكاملتان،لا يتم أحدهما إلا بالآخر،فالشريعة هي الظاهر والطريقة هي الباطن، ومن جمع بينهما فقد استكمل الدين.[5]

بے شک شریعت اور طریقت ایک دوسرے کے متکمل ہیں، ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔
شریعت ظاہر ہے اور طریقت باطن اور جو ان دونوں کو جمع کرتا ہے وہ دین کو مکمل کرتا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کے اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ محض فقہی یا صوفی مزاج کے قائل نہ تھے، بلکہ انہوں نے دونوں کو ساتھ لے کر چلنے کا تصور دیا۔ وہ طریقت کو بدعت یا شریعت سے متصادم عمل نہیں سمجھتے بلکہ اسے شریعت کے تکمیلی نظام کا لازمی جزو تصور کرتے ہیں۔

علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ نے عوام وخواص کے درمیان طریقت و شریعت کے امتزاج کو اجاگر کرنے میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ ان کی تحریریں، بالخصوص تسکین الصدور اور الحق المبین جیسی کتب، نیز ان کے دروس، شریعت وطریقت کی ہم آہنگی سے بھرپور ہیں۔

شریعت کے بغیر طریقت بے بنیاد ہے اور طریقت کے بغیر شریعت بے روح۔ دونوں کا امتزاج ہی دین کی مکمل تفہیم کا ذریعہ ہے۔[6]

اس اقتباس میں علامہ کاظمیؒ نہایت جامع انداز میں وہی بات دہرا رہے ہیں جو شاہ ولی اللہؒ نے عقلی و فلسفی انداز میں بیان کی تھی۔ لیکن علامہ کاظمیؒ کا اسلوب زیادہ وعظی، عوامی اور روحانی جذبے سے لبریز ہوتا ہے، جس کی جھلک ان کے خطبات اور تصانیف دونوں میں موجود ہے۔ وہ طریقت کو محض خانقاہی سلسلہ نہ سمجھتے بلکہ روحانی تربیت کی اصل روح قرار دیتے ہیں، جس کی بنیاد قرآن وسنت میں موجود ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ کی فکری ہم آہنگی اس بنیاد پر استوار ہے کہ دونوں بزرگوں نے دین اسلام کی مکمل تفہیم کے لیے شریعت (ظاہری احکام) اور طریقت (باطنی سلوک) کے امتزاج کو ناگزیر قرار دیا۔ ان کے نزدیک دین صرف ظاہری احکام تک محدود نہیں بلکہ باطنی تزکیہ اور روحانی تربیت کے بغیر نامکمل ہے۔ دونوں نے اپنے نظریات کو صرف فلسفیانہ یا ذوقی بنیادوں پر پیش نہیں کیا، بلکہ قرآن و

سنت سے واضح استدلال کرتے ہوئے عقلی اور روحانی اصولوں کو یکجا کیا۔ ان کی فکری جدوجہد کا بنیادی ہدف امت کی ایسی تربیت تھا جو انہیں ظاہری اطاعت کے ساتھ باطنی ارتقاء کی طرف لے جائے، تاکہ ایک متوازن، جامع اور مکمل دینی فہم تشکیل پا سکے۔

اگرچہ دونوں بزرگوں کی فکر میں بنیادی اصول مشترک ہیں، تاہم ان کے اسلوب، مخاطبین اور اظہار کے ذرائع میں نمایاں فرق موجود ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا اسلوب عقلی، فلسفی اور محدثانہ تھا، جس کے ذریعے وہ اہلِ علم اور فکری حلقوں کو مخاطب کرتے تھے۔ ان کی علمی تصانیف گہری نظریاتی وحدت اور فلسفیانہ عمق پر مبنی ہیں، جن میں حجۃ اللہ البالغہ نمایاں مثال ہے۔ اس کے برعکس علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ نے اپنے پیغام کو روحانی، وعظی اور عوامی انداز میں پیش کیا۔ وہ عوام و خواص اور صوفی مزاج سامعین سے براہِ راست خطاب کرتے اور خطبات و دروس کے ذریعے شریعت و طریقت کا امتزاج عملی طور پر سمجھاتے تھے۔ ان کی تحریروں اور تقریروں میں روحانی تذکیر اور سادہ مگر پر اثر تعبیرات غالب ہیں۔

معقول اور منقول کا امتزاج

علمِ دین میں عقلی (معقول) اور نقلی (منقول) دلائل کی ہم آہنگی ہمیشہ سے ایک بنیادی اصول رہی ہے۔ اسلامی عقائد، احکام اور تعلیمات کی تفہیم کے لیے جہاں قرآن و سنت کی روشنی ناگزیر ہے، وہیں عقلِ سلیم کی مدد سے ان کی حکمتوں اور علل کو واضح کرنا بھی اہم ہے۔ برصغیر کے دو جلیل القدر علماء، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ نے اس میدان میں نہایت متوازن انداز اپنایا۔ ان دونوں بزرگوں کی فکر کا خاصہ یہی ہے کہ انہوں نے نقل و عقل، روحانیت و شریعت اور استدلال و وجدانیات کو ایک ہی نہج پر جمع کر دیا۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ

فَإِنَّهُ قَدْ تَحَقَّقَ عِنْدَنَا أَنَّ أَحْكَامَ الشَّرِيعَةِ كُلَّهَا تَشْمَلُ مَصَالِحَ الْعِبَادِ فِي الْمَعَاشِ وَالْمَعَادِ، وَأَنَّهَا مُبْنِيَّةٌ عَلَى الْحِكَمِ وَالْمَعَانِي.[7]

بے شک ہمارے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شریعت کے تمام احکام بندوں کے دنیاوی اور اُخروی مصالح پر مشتمل ہیں، اور یہ تمام احکام حکمتوں اور معانی پر مبنی ہیں۔

یہ اقتباس شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اس اصولی فکر کی وضاحت کرتا ہے جس کے مطابق اسلامی شریعت کے تمام احکام میں نہ صرف ظاہر حکم بلکہ اس کے پیچھے حکمت، مصلحت اور معانی پوشیدہ ہوتے ہیں۔ وہ صرف ظاہری نصوص پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کے پس منظر میں کارفرما عقل و تدبر کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فقہی، شرعی اور کلامی مباحث میں عقلی استدلال کو جگہ دی، تاکہ دین کے احکام صرف تعبدی نہ رہیں بلکہ انسان کی عقل اور فطرت سے ہم آہنگ ہو جائیں۔

علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ لکھتے ہیں کہ

عقیدۂ ختم نبوت ہو یا علمِ غیب یا پھر سماعِ موتیٰ، ان میں جو باتیں میں نے لکھی ہیں وہ صرف جذباتی نعرے نہیں بلکہ قرآن، حدیث، اجماعِ امت اور عقلِ سلیم کے ساتھ ہیں، کیونکہ عقیدہ اگر دلیل کے بغیر ہو تو وہ وراثت ہوتا ہے، علم نہیں۔

عقیدۂ ختمِ نبوت ہو یا علمِ غیب یا سماعِ موتیٰ، ان تمام موضوعات پر جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ محض جذباتی باتیں نہیں، بلکہ وہ قرآن، حدیث، امت کے اجماع اور عقلِ سلیم پر مبنی ہیں، کیونکہ اگر عقیدہ دلیل سے خالی ہو تو وہ محض موروثی تقلید بن جاتا ہے، علم کا درجہ نہیں رکھتا۔[8]

اس اقتباس سے علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ کی علمی دیانت اور متوازن منہج ظاہر ہوتا ہے۔ وہ عقائد جیسے نازک موضوعات میں بھی

سلیم کی روشنی میں بات کرنا ضروری ہے تاکہ عقیدہ علمی بنیاد پر استوار ہو اور اندھی تقلید کا شکار نہ ہو۔ یہ رویہ ان کے تمام دروس، کتب اور خطبات میں جھلکتا ہے، جہاں وہ عقلی و نقلی دلائل کو یکجا کر کے ایمان کی مضبوط بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ دونوں نے دینِ اسلام کی تعبیر میں معقول و منقول کی ہم آہنگی کو اصولِ اساسی قرار دیا۔ ان کے نزدیک شریعت و طریقت، عقل و نقل اور ظاہر و باطن کے امتزاج کے بغیر دین کا جامع فہم ممکن نہیں۔ آج جب فکری انتہا پسندی اور جذباتی نعرہ بازی نے علمی میدان کو دھندلا دیا ہے، ان بزرگوں کی فکر ہمیں عقل و نقل کے حسین امتزاج سے متوازن اور دلیل پر مبنی دین کا راستہ دکھاتی ہے۔

مسلکِ اہلِ سنت کی مضبوطی

علماءِ اہلِ سنت نے ہمیشہ اسلامی عقائد کو دلیل، فہم اور حکمت کے ساتھ بیان کیا ہے، خاص طور پر توحید، رسالت، صفاتِ باری تعالیٰ اور آخرت جیسے بنیادی عقائد میں۔ اس ضمن میں اشعری و ماتریدی مکاتبِ فکر نے اہلِ سنت کے عقائد کی عقلی و نقلی بنیاد پر حفاظت کی۔ برصغیر کے ممتاز عالم شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ ان دونوں مکاتبِ فکر سے ہم آہنگ تھے اور اہلِ سنت کے علمی، اعتقادی اور فقہی ڈھانچے کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ انہوں نے نہ صرف اشعری و ماتریدی فکر کی نمائندگی کی بلکہ امت کو فکری اعتدال اور تقلیدی استقامت کی جانب بھی رہنمائی دی۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بقول

وَيَجِبُ أَنْ يُعْلَمَ أَنَّ فِي اتِّبَاعِ بَذِهِ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ مَصْلَحَةٌ عَظِيمَةٌ، وَفِي الْإِعْرَاضِ عَنْهَا مَفْسَدَةٌ كَبِيرَةٌ۔[9]

جاننا چاہیے کہ ان چاروں فقہی مذاہب کی پیروی میں ایک بڑی مصلحت ہے اور ان سے روگردانی میں ایک بڑا فساد ہے۔

یہ اقتباس شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اس بصیرت کی عکاسی کرتا ہے جس کے تحت وہ اہلِ سنت کے چاروں فقہی مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کو دین کی جامع تفہیم کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ تقلید کو اندھی پیروی نہیں بلکہ ایک منظم و مرتب دینی طریقہ قرار دیتے ہیں جو امت کو فکری تذبذب سے بچاتا ہے۔ ان کے نزدیک ان مذاہب کی پیروی میں امت کی وحدت اور دینی استقامت مضمر ہے، جبکہ ان سے انکار فرقہ واریت، خودرائی اور افراط و تفریط کی راہ ہموار کرتا ہے۔

علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ رقم طراز ہیں کہ

> اہلِ سنت کا وہی عقیدہ ہے جو صحابہ، تابعین اور ائمہ اربعہ کا ہے اور یہی عقیدہ قرآن و حدیث کی درست تعبیر ہے۔ ہم اشعری و ماتریدی علماء کے متفقہ عقائد پر قائم ہیں اور ان سے انحراف بدعت شمار ہوتا ہے۔[10]

علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ کا یہ بیان اُن کے مستحکم اعتقادی منہج کا آئینہ دار ہے۔ وہ صریح طور پر اہلِ سنت کے اس عقیدہ کو درست مانتے ہیں جو صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین نے اختیار کیا۔ ان کے نزدیک اشاعرہ و ماتریدیہ کی فکر قرآن و سنت کی شرح و تفسیر میں معتبر اور قابلِ اتباع ہے۔ وہ تقلید کے ذریعے نہ صرف امت کے دینی تشخص کو محفوظ مانتے ہیں بلکہ اس کو بدعات و انحرافات سے نجات کا ذریعہ بھی گردانتے ہیں۔ ان کا پورا علمی ورثہ مسلکِ اہلِ سنت کی تائید و حمایت پر قائم ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ نے مسلکِ اہلِ سنت کی علمی بنیادوں کو تقلید، اجماع اور معتدل کلامی منہج کے ذریعے مضبوط کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ چاروں مذاہب کی پیروی امت کی بقا کا ذریعہ ہے اور اشعری و ماتریدی عقائد دین کے صحیح فہم کی نمائندگی کرتے ہیں۔ آج جب تقلید پر سوالات اور اہلِ سنت کے عقائد پر حملے ہو رہے ہیں، ان دونوں بزرگوں کی فکر علمی و دینی رہنمائی کا معتبر حوالہ ہے۔

تصوف و علمِ کلام کا امتزاج

علمِ کلام اور تصوف اسلامی تہذیب کے دو گہرے اور مربوط شعبے ہیں۔ علمِ کلام عقائد کو دلائل سے واضح کرتا ہے، جبکہ تصوف دل کی دنیا کو پاک کرتا اور ایمان کو روحانی قوت بخشتا ہے۔ برصغیر کے دو جلیل القدر علما، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ نے ان دونوں علوم کو ایک دوسرے کا معاون قرار دیا۔ ان کے نزدیک علمِ کلام عقل و برہان سے عقائد کو مضبوط کرتا ہے، جبکہ تصوف اُنہی عقائد کی تطہیر اور ان پر عمل کے لیے قلبی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ اس طرح تصوف و علمِ کلام کا امتزاج دین کے ظاہر و باطن دونوں کو سنوارتا ہے۔

یہ کتاب انسانی انفرادی و اجتماعی معاملات، اخلاقی و سماجی پہلوؤں اور اقتصادی نظام کے تناظر میں فلاحِ انسانیت کی عظیم ہدایت کا نچوڑ ہے۔[11]

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اسلامی احکام کی علتیں، مقاصد اور مصلحتیں بیان کیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ وہ محض فقہی اور عقلی نظام کے قائل نہ تھے بلکہ تصوف و روحانیت کو اسلامی نظامِ حیات کا جزوِ لا ینفک سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک شریعت کی روح صرف ظاہری اطاعت نہیں بلکہ باطنی طہارت بھی ہے، جو تصوف سے حاصل ہوتی ہے۔ یہی ان کا وہ جامع نظریہ ہے جو عقل (علمِ کلام) اور قلب (تصوف) دونوں کو یکجا کر کے ایک متوازن اور ہم آہنگ اسلامی تصورِ حیات پیش کرتا ہے۔

> تصوف حقیقتِ اسلام کا دوسرا نام ہے، جس میں قلب کی اصلاح، نیت کی پاکیزگی اور اعمال کی خلوص کے ساتھ انجام دہی شامل ہے۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو عقائد محض فلسفہ بن کر رہ جاتے ہیں۔[12]

تصوف اسلام کی اصل حقیقت ہے، جس میں دل کی اصلاح، نیت کی صفائی اور اعمال کو خلوص کے ساتھ ادا کرنا شامل ہے۔ اگر یہ پہلو موجود نہ ہوں تو عقائد صرف ایک فلسفیانہ بیان بن کر رہ جاتے ہیں۔

علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ نے تصوف کو ایمان کی عملی تعبیر اور عقائد کی روح قرار دیا۔ ان کے نزدیک علمِ کلام عقائد کی بنیاد فراہم کرتا ہے اور تصوف اُن عقائد کو عملی اور قلبی دنیا میں منتقل کرنے کا ذریعہ ہے۔ وہ ان دونوں کو متضاد نہیں بلکہ ایک دوسرے کا تکملہ سمجھتے تھے۔ اسی بنا پر ان کی علمی زندگی میں عقلی استدلال کے ساتھ ساتھ روحانی تطہیر بھی نمایاں ہے۔ ان کے تصوف کی بنیاد شریعت پر تھی اور علمِ کلام کی بنیاد قرآن و سنت پر، اس لیے ان کا منہج ایک متوازن اسلامی فکر کا آئینہ دار ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ دونوں نے تصوف اور علمِ کلام کو امت کے دینی استحکام کے لیے یکجا کیا۔ ایک طرف عقائد کو برہان و دلیل سے تقویت دی، تو دوسری جانب دل کی دنیا کو طہارت، اخلاص اور روحانی بالیدگی سے منور کیا۔ ان کا منہج ظاہر و باطن، عقل و قلب اور شریعت و طریقت کا حسین امتزاج ہے۔

فکری امتیازات(Intellectual Distinctions)

علماء کی فکری تشکیل اور خدمات کا گہرا تعلق اُن کے زمانے اور سیاق و سباق سے ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ اٹھارہویں صدی میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے ابتدائی مراحل میں منظرِ عام پر آئے، جب امت مسلمہ سیاسی، دینی اور سماجی زوال کا شکار ہو رہی تھی۔ اُن کے فکر کا مرکزی نکتہ امت کی اصلاح، دینی شعور کی تجدید اور خلافتِ اسلامیہ کے احیاء پر تھا۔ اس کے برعکس علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ بیسویں صدی کے وسط میں برطانوی استعمار کے بعد کے دور میں نمایاں ہوئے، جب برصغیر میں نظریاتی انتشار، فرقہ واریت اور تشکیکی فتنوں نے سر اُٹھایا۔ ان کے فکری محاذ کی توجہ جدید الحادی نظریات، منکرینِ حدیث اور باطل مکاتب فکر کے مقابلے میں عقائدِ اہلِ سنت کی حفاظت تھی۔

یہ کتاب انسانوں کے شخصی اور اجتماعی مسائل، اخلاقیات، سماجیات اور اقتصادیات کی روشنی میں فلاح انسانیت کی عظیم دستاویز کا خلاصہ ہے۔[13]

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے دور کی فکری، اخلاقی اور معاشی پستی کا گہرائی سے تجزیہ کیا اور "حجۃ اللہ البالغہ" میں شریعت کے احکام کی عقلی و نقلی بنیادوں کے ساتھ ساتھ ان کی حکمتوں اور مقاصد کو بھی واضح کیا۔ ان کے پیش نظر صرف دینی بقاہی نہیں بلکہ ایک متوازن اور عدل پر مبنی معاشرہ قائم کرنا بھی تھا۔ وہ عقل، نقل اور روحانیت کو یکجا کر کے امت کی فکری و عملی اصلاح چاہتے تھے، جس کا پس منظر ان کے دور کا زوال آمادہ معاشرہ تھا۔

موجودہ دور میں سب سے بڑا فتنہ عقائد کا ہے۔ منکرینِ حدیث، منکرینِ صفاتِ باری تعالیٰ اور منکرینِ ختم نبوت سے امت کو شدید خطرات لاحق ہیں، جن کا مقابلہ صرف علمِ کلام کی احیائی تحریک سے ہی ممکن ہے۔[14]

علامہ کاظمیؒ نے بیسویں صدی کے فکری خلفشار میں علمِ کلام کو ایک زندہ اور متحرک علم کے طور پر اپنایا۔ انہوں نے اپنے خطبات، دروس اور تصانیف میں اہلِ سنت کے عقائد کا دفاع عقلی اور نقلی دلائل سے کیا۔ ان کا یہ منہج نہ صرف ان کے دور کے فتنوں کا ردّ تھا بلکہ علمِ کلام کی عصری تطبیق کی روشن مثال بھی تھا۔ ان کے ہاں نظریاتی دفاع اور روحانی تسکین دونوں یکجا نظر آتے ہیں، جو ان کی زمانی بصیرت کا مظہر ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ اپنے اپنے دور کے فکری چیلنجز کا گہرا شعور رکھتے تھے۔ دونوں نے اپنے عہد کے تقاضوں کے مطابق دینی اور فکری خدمات انجام دیں۔ ایک نے مغلیہ زوال کے تناظر میں امت کی تجدید کی کوشش کی، جبکہ دوسرے نے جدید فرقہ وارانہ اور الحادی فتنوں کے مقابلے میں عقائدِ اہلِ سنت کی پاسبانی کی۔ ان کا یہ فکری تنوع ان کی علمی بصیرت اور امت کے تئیں ان کی ذمہ داری کا آئینہ دار ہے۔

کلامی اسلوب

علمِ کلام کے اسلوب میں فرق دونوں شخصیات کی علمی ترجیحات، مخاطب کے دائرے اور ان کے زمانے کے فکری مزاج سے پیدا ہوا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے فلسفہ، تصوف اور معقولات میں مہارت رکھتے ہوئے ایک دقیق اور مجرد اسلوب اختیار کیا، جو اہلِ علم و فکر کے لیے موزوں تھا۔ ان کی تحریروں میں استدلال، تجرید اور اصطلاحات کی گہرائی نمایاں ہے۔ برعکس اس کے، علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ نے ایک زیادہ عوامی اور خطیبانہ اسلوب اختیار کیا، جس میں سادہ زبان، واضح دلائل اور اہلِ سنت کے کلامی اصولوں کی آسان تعبیر شامل تھی، تاکہ عوام اور خاص دونوں یکساں طور پر استفادہ کر سکیں۔

یہ کتاب انسانوں کے شخصی اور اجتماعی مسائل، اخلاقیات، سماجیات اور اقتصادیات کی روشنی میں فلاح انسانیت کی عظیم دستاویز کا خلاصہ ہے۔[15]

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے صرف شرعی احکام کے ظاہر پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان کے پس پردہ حکمتوں اور مصلحتوں کو ایک جامع فکری اور روحانی نظام میں پیش کیا۔ ان کی تحریریں فلسفیانہ اصطلاحات، اشاراتی انداز اور صوفیانہ مفاہیم سے لبریز ہیں، جو اہلِ علم اور خاص طبقہ کے لیے گہرائی کا سبب بنتی ہیں۔ ان کے کلامی مباحث میں ابن سینا، غزالی اور ابن عربی کے اثرات محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

عقیدہ توحید، رسالت، قیامت اور قرآن کی حقانیت جیسے اصولی مسائل میں عقل کو تابع وحی بنانا ہی اہلِ سنت کا طریقہ ہے اور یہی کلام کا صحیح راستہ ہے۔[16]

علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ کے کلامی اسلوب میں عقلی اصطلاحات کی بجائے نقلی دلائل کا غلبہ ہے۔ ان کا اسلوب سادہ، مؤثر اور عام فہم ہے۔ وہ عقائدِ اہلِ سنت کے اثبات میں دلائلِ قرآن وحدیث کو بنیاد بناتے تھے اور اسلوب ایسا رکھتے تھے کہ عام سامع بھی سہولت سے ان کا مدعا سمجھ لے۔ ان کے خطبات اور تحریریں عوامی ذہنوں میں فتنوں کا شعور بیدار کرنے اور عقیدے کی اصلاح کرنے میں غیر معمولی کردار ادا کرتی تھیں۔

کلامی اسلوب کے اعتبار سے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا انداز صوفیانہ، فلسفیانہ اور نظریاتی تھا، جو علمی حلقوں میں اثر انگیز رہا، جبکہ علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ کا طرزِ بیان زیادہ تر عوامی فہم کو مدنظر رکھتے ہوئے ترتیب دیا گیا، جس سے ان کی تحریریں اور خطبات امت کے ہر طبقے تک پہنچنے میں کامیاب رہے۔ ان دونوں مناہج نے اپنے اپنے دائرے میں علمِ کلام کی آبیاری کی۔

مباحثِ حیاتِ انبیاء اور علمِ غیب

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا بنیادی زور اصلاحِ امت، تجدیدِ فکر اور شریعت کے مقاصد و مصلحتوں کی وضاحت پر رہا۔ انہوں نے حیاتِ انبیاء علیہم السلام بعد الوفات، علمِ غیبِ نبوی، نورانیتِ رسول ﷺ اور وساطتِ شفاعت جیسے مسائل پر براہِ راست تفصیل سے بحث نہیں کی، بلکہ ان مباحث کو صوفیانہ اشارات یا کلامی اصطلاحات کی حد تک چھوڑ دیا۔ اس کے برعکس، علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ نے ان تمام عقائد کو اہلسنت کے بنیادی اعتقادات میں شمار کیا اور پوری علمی و تحقیقی بصیرت کے ساتھ ان کا اثبات کیا۔ خاص طور پر ردِ انکارِ حدیث، منکرینِ حیاتِ انبیاء علیہم السلام اور منکرینِ علمِ غیب کے فتنوں کا مفصل تعاقب کیا۔

> یہ کتاب انسانوں کے شخصی اور اجتماعی مسائل، اخلاقیات، سماجیات اور اقتصادیات کی روشنی میں فلاح انسانیت کی عظیم دستاویز کا خلاصہ ہے۔[17]

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی توجہ کا مرکز شریعت کے مقاصد، اصلاحِ معاشرہ اور فرد و جماعت کی فکری تربیت تھا۔ اگرچہ وہ اکابر صوفیہ کی عقیدت اور مقامِ نبوت سے گہرا تعلق رکھتے تھے، لیکن حیات النبی ﷺ اور علم الغیب جیسے مباحث کو انہوں نے کلامی یا فقہی انداز میں موضوعِ بحث نہیں بنایا۔ ان کے ہاں زیادہ زور فکری تجدید اور باطنی و ظاہری ہم آہنگی پر رہا۔

> علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ کے حوالے سے
>
> حضور ﷺ کو علمِ غیب عطائی طور پر حاصل ہے، جس پر قرآن و سنت کی نصوص قطعیہ دلالت کرتی ہیں اور انکار کرنے والے دراصل نبوت کے مقامِ بلند کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔[18]

علامہ کاظمیؒ نے علمِ غیب کے موضوع پر مستقل کتابیں تحریر کیں اور تفصیل سے ثابت کیا کہ نبی کریم ﷺ کو بطور عطاء علمِ غیب حاصل ہے۔ انہوں نے حیات النبی ﷺ بعد الوفات، شفاعت و وساطت اور نورانیتِ نبوی جیسے موضوعات پر نہ صرف عقلی و نقلی دلائل دیئے بلکہ ردِ فرقِ باطلہ بھی فرمایا۔ ان کا اسلوب کلامی ہونے کے ساتھ عوامی خطابت سے بھی مزین تھا، جس نے اہل سنت کے عقائد کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔

جہاں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا دائرۂ فکر اجتماعی اصلاح اور شرعی حکمتوں کے بیان پر مرکوز تھا، وہیں علامہ کاظمیؒ نے عقائدِ اہل سنت کی تفصیلات، خاص طور پر متنازع مباحث جیسے علمِ غیب، حیاتِ انبیاء علیہم السلام اور نورانیتِ رسول ﷺ کو نہایت مدلل انداز میں پیش کیا۔ یوں یہ دونوں ہستیاں اپنے اپنے دائرہ کار میں دین کی خدمت کے دو عظیم پہلو سامنے لاتی ہیں۔

نتائج

- شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا زور اصلاحِ امت اور تجدید دین پر تھا، جبکہ علامہ کاظمیؒ کا محور تحفظِ عقائدِ اہلسنت رہا۔
- شاہ صاحب نے اشعری و ماتریدی عقائد کی بنیاد رکھی، علامہ کاظمیؒ نے ان عقائد کی عوامی و کلامی وضاحت کی۔
- شاہ ولی اللہؒ نے صوفیانہ و فلسفیانہ اسلوب اپنایا، علامہ کاظمیؒ کا انداز سادہ، عام فہم اور خطیبانہ تھا۔
- تقلید کے باب میں دونوں نے چاروں مذاہب کی پیروی کو مصلحت اور اتحاد کا ذریعہ قرار دیا۔
- شاہ صاحب کا فکری دائرہ احیائے خلافت اور اخلاقی تربیت تک محدود رہا، کاظمیؒ صاحب نے ردِ فرق باطلہ پر زور دیا۔
- علمِ کلام اور تصوف کو دونوں نے تکمیلی علوم مانا، مگر علامہ کاظمیؒ نے اسے عقائد کی تطہیر کا عملی ذریعہ بنایا۔
- شاہ ولی اللہؒ نے علمِ غیب و حیات النبی ﷺ جیسے موضوعات کو ضمنی طور پر چھیڑا، علامہ کاظمیؒ نے ان پر تفصیلی کلام کیا۔
- شاہ صاحب کی تحریریں اصولی و فلسفی مباحث پر مشتمل ہیں، جبکہ کاظمی صاحب کی کتب مخصوص عقائد کے دفاع پر مبنی ہیں۔
- شاہ صاحب کا دینی کام اجتہاد اور مقاصدِ شریعت کی تشریح پر مرکوز تھا، علامہ کاظمیؒ کا کام عوامی ذہن کی تشکیل میں نمایاں ہے۔
- دونوں حضرات نے اہلِ سنت کی فکری سرحدوں کی حفاظت کی، مگر زمانہ، اسلوب اور ترجیحات کا فرق نمایاں رہا۔

سفارشات

- دینی مدارس میں تصوف اور علمِ کلام دونوں کو مربوط انداز میں پڑھایا جائے تاکہ روحانیت اور عقائد میں توازن پیدا ہو۔
- اشعری و ماتریدی عقائد کی عصری تناظر میں وضاحت کے لیے علامہ کاظمیؒ جیسے سادہ اور عام فہم اسلوب کو اپنایا جائے۔
- طلبہ میں فقہی تقلید کی اہمیت کو شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی بصیرت سے واضح کر کے فرقہ واریت کا ازالہ کیا جائے۔
- جدید فتنوں کے مقابلے کے لیے علامہ کاظمیؒ کے طرز پر علمِ کلام کو مقامی سطح پر عام کیا جائے۔
- فلسفہ اور تصوف کو اجنبی نہ سمجھا جائے بلکہ انہیں عقائد کی گہرائی کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا جائے۔
- مدارس اور جامعات کے نصاب میں "حیات النبی ﷺ"، "علمِ غیب" اور "وساطتِ شفاعت" جیسے موضوعات کو تحقیقی انداز میں شامل کیا جائے۔
- شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکری تنوع اور علامہ کاظمیؒ کے کلامی اثبات کو امتزاجی مطالعے کے طور پر پڑھایا جائے۔
- علماء کو چاہیے کہ وہ دینی اسلوب کو عصرِ حاضر کی فہم و زبان سے ہم آہنگ بنائیں جیسا کہ علامہ کاظمیؒ نے کیا۔
- فکری اختلافات کے باوجود اہلِ سنت کے بنیادی عقائد پر اتحاد کو فروغ دینے کے لیے ان دونوں شخصیات کی روشنی میں مشترکہ نصاب تیار کیا جائے۔
- نئی نسل کو مسلکِ اہلِ سنت کی علمی میراث سے جوڑنے کے لیے ان شخصیات کی تصانیف کو سادہ اردو میں پیش کیا جائے اور ان پر درسی شروح لکھی جائیں۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ دونوں نے دینی اصلاح اور امت کی فلاح کے لیے مختلف ادوار میں اہم کردار ادا کیا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے عقلی و فلسفیانہ اسلوب کو اپناتے ہوئے اسلامی احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں کو واضح کیا اور ان کی فکر نے علمی گہرائی اور فکری اعتدال کی راہ ہموار کی۔ دوسری طرف علامہ کاظمیؒ نے اپنے دور کے فرقہ وارانہ مسائل اور سیاسی صورتحال کے تناظر میں سادہ،

عام فہم اور نقلی دلائل کے ذریعے اہلِ سنت کے عقائد کی مضبوطی اور تشریح کی۔ دونوں علماء نے تصوف و علمِ کلام کو ایک دوسرے کا معاون قرار دیا، تاہم ان کے اسلوب اور موضوعات کے انتخاب میں فرق تھا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے احکام شرعیہ کی حکمتوں اور فلاحِ انسانیت پر زور دیا جبکہ علامہ کاظمیؒ نے حیات النبی ﷺ، علمِ غیب اور وساطتِ شفاعت جیسے مسائل پر تفصیل سے کلام کیا۔ ان کی فکر نے آج بھی امتِ مسلمہ کو دینی مسائل کے حل کی سمت فراہم کی ہے اور ان کے کام کو جدید دنیا میں بھی ایک فکری رہنمائی کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مصادر و مراجع

1. مظاہری، عبد القیوم۔ الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ دہلی: مکتبہ رحیمیہ، 1967ء
2. سید ضمیر حسین شاہ۔ حیاتِ کاظمی۔ ملتان: ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ، 1990ء
3. شاہ ولی اللہ دہلوی۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ دہلی: ادارہ اسلامیات، 1990ء
4. سید احمد سعید کاظمی۔ مقالات کاظمی۔ ملتان: کاظمی کتب خانہ، 1965ء
5. سید احمد سعید کاظمی۔ مقام نبوت۔ ملتان: ادارہ تسکین الخواطر، 1998ء
6. شاہ ولی اللہ دہلوی۔ عقد الجید فی أحکام الاجتہاد والتقلید۔ دہلی: مطبع مجتبائی، 1923ء
7. سید احمد سعید کاظمی۔ الحق المبین۔ ملتان: ادارہ تسکین الخواطر، 1996ء
8. سید احمد سعید کاظمی۔ تسبیح الرحمن عن الکذب والنقصان۔ ملتان: ادارہ تسکین الخواطر، 1994ء
9. سید احمد سعید کاظمی۔ علمِ غیب نبی ﷺ۔ ملتان: ادارہ تسکین الخواطر، 1986ء

حوالہ جات:

1 مظاہری، عبد القیوم، **[illegible] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی**،(دہلی: مکتبہ رحیمیہ، 1967ء)، ص14-
2 سید ضمیر حسین شاہ، **حیاتِ [illegible] ستھو**،(ملتان: ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ، 1990ء)، ص43-
3 شاہ ولی اللہ دہلوی، **حجۃ اللہ البالغہ**،(دہلی: ادارہ اسلامیات، 1990ء)، 59/1-
4 سید احمد سعید کاظمی، **مقالات کاظمی**،(ملتان: کاظمی کتب خانہ، 1965ء)، ص39-
5 شاہ ولی اللہ دہلوی، **حجۃ اللہ البالغہ**،(دہلی: ادارہ اسلامیات، 1990ء)، 59/1-
6 سید احمد سعید کاظمی، **مقالات کاظمی**،(ملتان: کاظمی کتب خانہ، 1965ء)، ص39-
7 شاہ ولی اللہ دہلوی، **حجۃ اللہ البالغہ**،(دہلی: مجلس اشاعت علوم اسلامیہ، 1998ء)، 121/1-
8 سید احمد سعید کاظمی، **مقامِ نبوت**،(ملتان: ادارہ تسکین الخواطر، 1998ء)، ص7-
9 شاہ ولی اللہ دہلوی، **عقد الجید فی أحكام الاجتهاد والتقليد**،(دہلی: مطبع مجتبائی، 1923ء)، ص19-
10 سید احمد سعید کاظمی، **الحق المبین**،(ملتان: ادارہ تسکین الخواطر، 1996ء)، ص5-
11 شاہ ولی اللہ دہلوی، **حجۃ اللہ البالغہ**،(دہلی: مجلس اشاعت المعارف النعمانیہ، 1993ء)، ص635-
12 سید احمد سعید کاظمی، **تسبيح الرحمن عن الكذب والنقصان**،(ملتان: ادارہ تسکین الخواطر، 1994ء)، ص22-
13 شاہ ولی اللہ دہلوی، **حجۃ اللہ البالغہ**،(دہلی: مجلس اشاعت المعارف النعمانیہ، 1993ء)، ص635-
14 سید احمد سعید کاظمی، **تسبيح الرحمن عن الكذب والنقصان**،(ملتان: ادارہ تسکین الخواطر، 1994ء)، ص41-
15 شاہ ولی اللہ دہلوی، **حجۃ اللہ البالغہ**،(دہلی: مجلس اشاعت المعارف النعمانیہ، 1993ء)، ص641-
16 سید احمد سعید کاظمی، **الحق المبین**،(ملتان: ادارہ تسکین الخواطر، 1991ء)، ص52-
17 شاہ ولی اللہ دہلوی، **حجۃ اللہ البالغہ**،(دہلی: مجلس اشاعت المعارف النعمانیہ، 1993ء)، ص649-
18 سید احمد سعید کاظمی، **علمِ غیبِ نبی ﷺ**،(ملتان: ادارہ تسکین الخواطر، 1986ء)، ص17-